بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ، أَمَّا بَعْدُ:

65: اللہ تعالیٰ کی صفت ضحک (یعنی ہنسنے کا) اور صفت تعجب اور دیگر صفات کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ؛ جہاں پر رُکے تھے وہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں۔

ہم بات کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان؛ اور آج کی نشست میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الحديث الثالث" (تیسری حدیث) "في إثبات الضحك" (اللہ تعالیٰ کی صفت ضحک یعنی ہنسنے کا بیان) "وهو قوله صلى الله عليه وسلم" (اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے) "يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الآخَرَ، كِلاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ": متفق علیہ۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ شرح میں فرماتے ہیں: یہ جو لفظ ہے "كِلَا" اس کے ساتھ اگر معنی کو دیکھا جائے یا لفظ کو دیکھا جائے تو دونوں لفظ ٹھیک ہیں: يَدْخُلُ اور يدخلَان: کیونکہ بعض احادیث میں "كِلاهُمَا يَدْخُلُ" جیسے اِس روایت میں ہے: اور بعض روایات میں "كِلاهُمَا يَدْخُلَانِ"۔

"يَدْخُلُ" اور "يدخلَان": يَدْخُلُ مفرد ہے؛ اور يدخلَان تثنیہ ہے، اور دونوں درست ہیں۔ کیسے درست ہیں؟ لفظ کے اعتبار سے دیکھا جائے یا معنی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس طریقے سے دونوں درست ہیں؛ اور پھر ایک شاعر کا قول بھی بیان کیا ہے کہ عربی زبان میں یہ طریقہ جو ہے درست ہے۔

پھر حدیث کے تعلق سے فرماتے ہیں: اس حدیث میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے اُن دو لوگوں کے تعلق سے جن میں سے ایک شخص جو ہے وہ دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور پھر یہ دونوں جو ہیں قاتل اور مقتول جنت میں یعنی داخل ہو جاتے ہیں "كِلَاهُمَا يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ" (قاتل اور مقتول جنت میں داخل ہو جاتے ہیں)۔

کس طریقے سے ؟ شیخ صاحب فرماتے ہیں : اور یہ ایک دفعہ قتل کرنا جو ہے یہ اسی وجہ سے تھا کہ دونوں میں شدید عداوت تھی اب اس عداوت کی وجہ سے اُن کی لڑائی ہوئی پھر بات جھگڑے کی انتہا جو ہے وہ قتل کی طرف چلی گئی،اور وہ جب دونوں جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اُن کے بیچ میں جو عداوت تھی وہ ختم ہو جائے گی۔ وہ کس طریقے سے ؟ طریقہ یہ ہے کہ جب دنیا میں تھے تو ایک مسلمان تھا ایک کافر تھا اِن دونوں کی جنگ ہوئی، کافر نے مسلمان کو قتل کر دیا، مسلمان میدان جنگ میں جب اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اگر وہ قتل کر دیا جائے تو اسے شہید کہتے ہیں تو اسے شہادت ملے گی اور شہید جو ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے؛ پھر یہ کافر جس نے اس مسلمان کو قتل کیا ہے بعد میں اس نے بھی اسلام قبول کر لیا، یا تو یہ بھی شہادت کی موت مرا ہے یا ویسے یہ شخص مر گیا ہے؛ کیونکہ اہل ایمان میں سے ہے یہ بھی جنت میں داخل ہو گیا، یہ دونوں قاتل مقتول جنت میں داخل ہو جاتے ہیں تو اِن دونوں کے حال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے: **يَضۡحَكُ**؛اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

اس حدیث میں شیخ صاحب فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی "صفت ضحک" یعنی ہنسنے کا ثبوت ہے اور یہ جو ہنسنا ہے یہ حقیقی ہے جو مخلوقات کے ہنسنے کے مثل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہنستا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اور ہم مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کی کبھی بھی تمثیل یا مثلیت نہیں بیان کر سکتے کیونکہ یہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے ہم یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے منہ ہیں اور دانت ہیں یا اس طریقے سے کوئی اور چیزیں جو ہنسنے کے وقت یعنی مخلوق میں نظر آتی ہیں یا ضرورت پڑتی ہے لیکن ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے: "کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اس صفت کو (صفت ضحک کو) ثابت کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہے مخلوقات سے مثلیت رکھتا ہے یا مثلیت لازم آتی ہے خالق اور مخلوق میں !!"۔

تو اس کا جواب یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خالق اور مخلوق میں کوئی مثلیت ہے یا دونوں مثل ہیں کیونکہ جس نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے اُسی پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ہے: ﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٌۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ﴾(الشوریٰ:11)۔

اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام اپنے تئیں کوئی بات بھی نہیں کرتے اور جو بھی بات کرتے ہیں وحی کی بنیاد پر بات کرتے ہیں، اور یہ معاملہ جو ہے اس کا تعلق جو ہے اُمور غیب سے ہے (یہ مسئلہ جو ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے تعلق سے جو بھی مسائل ہیں ان کا تعلق علم غیب سے ہے) یہ کوئی اجتہادی مسئلہ نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی اجتہاد کرکے اپنی طرف سے کوئی رائے دیں اور پھر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

(کیونکہ بعض اجتہادی مسائل ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد کرکے کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں پھر وحی یا تو اس کا اقرار کردیتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اقرار نہیں کرتی، تو جس کا اقرار ہو جاتا ہے وہ دین بن جاتا ہے جس کا اقرار نہیں ہوتا وہ دین کا معاملہ نہیں ہوتا)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): لیکن یہ معاملہ جو ہے (ضحک کا معاملہ جو ہے یعنی) یہ اُمور غیبیہ میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام وحی کے ذریعے سے اپنے ربّ سے حاصل کرتے ہیں۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے: "کہ ضحک (یا ہنسنے) سے مراد اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے کیونکہ جب انسان راضی ہوتا ہے کسی چیز سے پھر وہ خوش ہوتا ہے پھر وہ ہنستا بھی ہے اور رِضیٰ یا رَضا ہونے سے مراد جو ہے ثواب ہے، یا ثواب کا ارادہ ہے"؛ جیسا کہ اہل التعطیل نے کہا ہے۔

اہل التعطیل کون ہیں؟ کسے کہا جاتا ہے اہل التعطیل؟ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرنے والوں کو اہل التعطیل کہتے ہیں (یہ مجمل جواب ہے اور یہی جواب درست ہے کیونکہ میں نے تفصیل نہیں پوچھی): تو اہل التعطیل سے مراد یہ وہ گروہ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے منکر ہیں۔ اس لیے سب سے پہلی شرط اہل سنت والجماعت کے عقیدے میں اس باب میں کیا ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کے ہر نام اور ہر صفت پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن مجید اور صحیح حدیث میں ثابت ہے اِن چار شرطوں کے ساتھ؛ پہلی شرط: "**من غير تعطيل**" (بغیر انکار کرنے کے)۔

تو مطلب اہل التعطیل موجود ہیں جنہوں نے انکار کیا ہے، اِن کو کہتے اہل التعطیل: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے پہلی شرط یہ رکھی ہے اسماء وصفات کے باب میں کہ ہم اہل التعطیل جیسا عمل نہیں کرتے انکار نہیں کرتے بلکہ ایمان رکھتے ہیں اقرار کرتے ہیں۔

جواب میں شیخ صاحب فرماتے ہیں اس بات کا جواب یہ ہے: کہ یہ تحریف ہے "کَلِم" کی یعنی بات کی اُس کی جگہ سے؛ تمہیں کیا پتہ یہ رضا سے مراد جو ہے وہ ثواب ہی ہے؟! اب تم لوگوں نے (یعنی اہل تعطیل جو ہیں) دو طریقوں سے اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہی جو تم نہیں جانتے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ بہت بڑا جرم ہے ﴿...وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ:169) بہت بڑا جُرم ہے!

تو اس مسئلے میں دونوں چیزیں آتی ہیں دو طریقے سے۔ وہ کیسے؟

(۱) "الوجه الأول": پہلا طریقہ جو ہے کہ جو نص ہے اُس کے ظاہر سے ہٹ کر معنی بیان کیا ہے بغیر علم کے۔

(۲) اور دوسری بات یہ ہے کہ جو ظاہر معنی ہے اس کے خلاف کوئی اور معنی ثابت کیا ہے یہ بھی بغیر علم کے۔

اس کا کیا مطلب ہوا؟ کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے کوئی بات کی بغیر علم کے کہ نہیں؟! (سبحان اللہ)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے: اہل تعطیل کہتے ہیں: نہیں، اللہ تعالیٰ ہنستا نہیں ہے! کیوں نہیں ہنستا؟ کیونکہ مخلوقات سے مثلیت لازم آتی ہے؛ منہ کا ہونا لازم آتا ہے دانتوں کا ہونا لازم آتا ہے، یہ لازم آتا ہے وہ لازم آتا ہے!

اہل سنت والجماعت نے اس کے جواب میں کیا کہا ہے؟ کہ تمہاری یہ بات جو ہے باطل ہے۔ کیوں باطل ہے؟ کیونکہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہی جس کا تمہیں علم نہیں ہے (یعنی جو بہت بڑا جُرم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے)، اور دو اعتبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے تعلق سے بات کی ہے بغیر علم کے:

پہلی بات یہ ہے: کہ جو ظاہر معنی ہے یعنی "ضحک" (ہنسنا) ظاہر معنی یہی ہے تم لوگوں نے اس معنی کو جو ظاہر معنی ہے اس سے ہٹ کر کوئی اور معنی بیان کیا ہے بغیر علم۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کیا علم ہے اللہ تعالیٰ ہنستا نہیں ہے؟! بلکہ ثبوت اس کے مخالف ہے کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔

دوسری بات یہ ہے: جو معنی تم لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو پھر ثواب دیتا ہے یا ثواب کا ارادہ کرتا ہے، یہ معنی جو تم نے بیان کیا ہے یہ ظاہر معنی کے خلاف معنی ہے جو تم نے ثابت کیا ہے یہ بھی بغیر علم کے کیا ہے۔ اس کا ثبوت کہاں ہے کہ ہنسنے کا مطلب ہے راضی ہونا اور پھر راضی ہونے سے ثواب لازم آتا ہے، یا اُس کا ارادہ (یا ثواب کا ارادہ) اس کی دلیل کہاں ہے؟!

تو اس اعتبار سے تم لوگوں نے جو بات کی ہے بغیر علم کے کی ہے۔

پھر تیسرا جواب جو ہے پھر ہم یہ کہتے ہیں اُن کو شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ تم لوگوں نے ارادے کی بات کی ہے "إرادۃ الثواب" (ثواب کا ارادہ)؛ اگر تم لوگ یہ کہتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے تو پھر تم خود تناقض میں پڑ جاتے ہو اپنے قاعدے کے خلاف کیونکہ انسان کا ارادہ بھی تو ہے (انسان کا کوئی ارادہ نہیں ہے!)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ آل عمران آیت نمبر 152 میں: ﴿مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ إلى آخر الآیۃ (تم میں سے کچھ ایسے ہیں جو دنیا کا ارادہ رکھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں) (آل عمران:152)۔ کچھ دنیا چاہتے ہیں کچھ آخرت چاہتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انسان کے ارادے کو ثابت کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیوار کا ارادہ بھی ثابت کیا ہے جیسے سورۃ الکھف آیت نمبر 77 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ﴾ (ان دونوں نے ایک دیوار کو دیکھا جو گرنے کا ارادہ رکھتی تھی ﴿يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ﴾ پھر اُس کو سیدھا کر دیا) (الکھف:77)۔

الغرض؛ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): تو پھر یا تو تم اللہ تعالیٰ کے ارادے کو بھی نہ مانو اُس کی نفی کرو جیسا کہ تم نے دیگر صفات کی نفی کی ہے، یا اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے اگر مخلوق میں بھی اُس کی نظیر موجود ہے کیونکہ صرف نام کی حد تک ہے حقیقت میں نہیں ہے۔

یعنی خالق کا ارادہ، مخلوق کا ارادہ بھی ہے حقیقت الگ ہے ان دونوں کی اب ارادہ تو ایک ہی ہے نا! ارادے کا معنی بھی ایک ہے، یہ تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو ارادہ ہے اور معنی ہے مخلوق کا معنی اور ہے! ارادہ تو ارادہ ہی ہوتا ہے اس لیے جو بھی معنی ہے معنی صحیح ہے لیکن حقیقت، اُس کی کیفیت وہ الگ ہے۔

شیخ صاحب یہ فرما رہے ہیں: تمہارا جو قاعدہ ہے اس معاملے میں کہ ہنسنے سے مراد اللہ تعالیٰ جو ہے وہ راضی ہوتا ہے، یا ارادہ کرتا ہے ثواب دینے کا: اب ہنسنا دیکھیں ہنسنے کا معنی جو ہے اور "إرادۃ الثواب" ثواب کا ارادہ دونوں میں فرق ہے کہ نہیں؟

دوسری بات "إرادة الثواب": تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو ثابت کرتے ہو۔

اچھا کس کی بات ہو رہی ہے جہمیہ کی بات ہو رہی ہے؟ نہیں۔ معتزلہ کی بات ہو رہی ہے؟ نہیں۔ کیوں نہیں؟ صفت الارادۃ کو معتزلہ مانتے ہیں کہ نہیں مانتے؟

ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ صفت الارادۃ کے تعلق سے شیخ صاحب فرماتے ہیں: ''ثم نقول لهم''(ہم اِن سے کہتے ہیں): اِن سے کون مراد ہیں جن سے کہتے ہیں؟

''ثم نقول لهم'' کون ہیں یہ جہمیہ ہیں؟ نہیں ہیں۔ کیوں جہمیہ نہیں ہیں؟ کیونکہ بات ارادے کی ہو رہی ہے جہمیہ اسماء وصفات دونوں کا انکار کرتے ہیں۔ معتزلہ ہیں ان سے مراد؟ نہیں؛ کیونکہ معتزلہ تمام صفات کا انکار کرتے ہیں، ارادے کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اس میں اَشاعرہ شامل ہیں؟ شامل ہیں۔ کلابیہ شامل ہیں؟ جی۔ ماتریدیہ شامل ہیں؟ ہاں بالکل۔ کیوں؟ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو صفت الارادۃ کو ثابت کرتے ہیں۔

سات صفات میں سے جو کلابیہ اور اَشاعرہ کی ہیں اُن میں ارادے کی صفت بھی شامل ہے، اور آٹھ صفات جو ماتریدی مانتے ہیں اُن میں سے یہ صفت إرادۃ بھی شامل ہے۔

اچھا تم لوگ ارادے کی بات تو کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے اور اس ارادے سے جو اللہ تعالیٰ کے ارادے کی صفت ہے جو تم ثابت کرتے ہو مخلوق کا ارادہ بھی ہے، اور تم کہتے ہو کہ دونوں الگ الگ ہیں اس لیے ہم اس کو مانتے ہیں اور باقی صفات کو نہیں مانتے؛ تمہارے قاعدے کا خود ہی تناقض ہو جاتا ہے کیونکہ اگر خالق کا ارادہ مانتے ہیں مخلوق کے ارادے کو بھی مانتے ہیں اور دونوں میں مثلیت کی نفی کر دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا ہنسنا مخلوق کا ہنسنا، یہ بھی صفت ہے یہ بھی صفت ہے دونوں میں مثلیت کہاں سے آ گئی؟! اگر ارادے میں مثلیت نہیں ہو سکتی کیونکہ ارادے کی حقیقت الگ ہے دونوں میں تو پھر ہنسنے کی حقیقت الگ کیوں نہیں ہو سکتی؟! قاعدہ تو ایک ہونا چاہیے نا! تو خود اپنے قاعدے سے تناقض کیا ہے کہ نہیں کیا ہے؟! (اب واضح ہو گئی بات، الحمد للہ)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں جو مسلکی فائدہ ملتا ہے ہمیں اس حدیث سے: یعنی ابھی لمبی بحث کی ہے تو ہمیں "مسلکی" دین پر عمل کرنے سے اس حدیث کو ماننے سے اس طریقے سے کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے ہم اللہ تعالیٰ کی "صفت الضحک" ہنسنے کی صفت پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے ایمان میں کوئی فرق پڑے گا کہ نہیں؟ ہمیں فائدہ ہو گا کہ نہیں؟ کیا فائدہ ہو گا؟

(۱) کہ جب ہم یہ چیز جان لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے تو پھر ہم اللہ تعالیٰ سے ہر خیر کی امید رکھتے ہیں (سبحان اللہ)؛اور ایک حدیث میں آیا ہے السلسلۃ الصحیحۃ میں علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے؛ بڑی پیاری حدیث ہے: ایک شخص اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے یارسول اللہ ! کیا ہمارا ربّ ہنستا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جی ہاں اللہ تعالیٰ ہنستا ہے"؛ تو اُس شخص نے کہا" تو پھر ہم ایسے ربّ سے جو ہنستا ہے کبھی بھی خیر سے محروم نہیں ہوں گے"۔

جو ربّ ہنستا ہے کیا اُس کے خیر سے کوئی محروم ہو سکتا ہے؟! (سبحان اللہ)۔

یعنی اُس شخص کو دیکھیں ایک عامی انسان ہے اُس کو سمجھ آ گئی اُس نے یہ نہیں کہا کہ اچھا مخلوق بھی ہنستی ہے پھر مثلیت لازم آتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے کیسے کہا ہے؟!

ان دونوں حدیثوں کو صحابہ نے بھی سنا ہے کسی صحابی نے کوئی اعتراض کیا ہے؟! کسی صحابہ نے یہ عرض کی ہو کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! مخلوقات بھی تو ہنستی ہیں ہم بھی تو ہنستے ہیں، آپ بھی ہنستے ہیں کیا مثلیت لازم نہیں آتی ہے ہم کیسے مانیں؟! کیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا تو نہیں ہے؟! کیا اس سے مراد ارادۃ الثواب تو نہیں ہے؟! کیا اللہ تعالیٰ کی اس سے مراد ثواب تو نہیں ہے؟! کیا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بیان فرمایا ہے کہ اس سے مراد غلط نہ سمجھنا یہ وہ ہنسنا نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، اس سے ہنسنے سے مراد اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے پھر ارادہ کرتا ہے ثواب دینے کا پھر اللہ تعالیٰ ثواب دیتا ہے؟! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما نہیں سکتے تھے؟!

کیا صحابہ جو سب سے زیادہ حریص تھے علم حاصل کرنے کے لیے اور براہ راست علم حاصل کیا ہے کیا انہوں نے یہ سوال کیا ہے؟! کیا وہ نہیں کر سکتے تھے؟! دیکھیں؛ یا تو تم زیادہ سمجھنے والے ہو (اہل التعطیل جو ہیں) یا تو صحابہ زیادہ سمجھنے والے تھے؛ یا تم زیادہ حریص ہو دین کو سمجھانے کے عمل کرنے کے یا تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ حریص تھے، (سبحان اللہ)۔

(۲) پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: جب ہم یہ جان لیتے ہیں تو پھر ہمارے لیے ہر خیر کے امید کے دروازے کھل جاتے ہیں کیونکہ ہم انسان کے تعلق سے جب بات کرتے ہیں تو بہت فرق ہے؛ ایک انسان سخت ہوتا ہے کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جاتا اسے، اور دوسرا انسان ہنستا ہے؛ دونوں میں فرق ہے۔ نہیں ہے فرق؟!

یعنی آپ دو شخص بیٹھے ہیں ایک مسکرا کر آپ کی طرف دیکھتا ہے اور ایک یوں بالکل اُس نے شکل بنائی ہوئی ہے اور غصے میں بیٹھا ہے، آپ کا دل کس کی طرف مائل ہو گا اور کس سے آپ بات کرنا پسند کریں گے؟ کیا خیال ہے؟

انسان کی اپنی فطرت میں دیکھیں آپ (سبحان اللہ) یعنی عام سی مثال میں دے رہا ہوں آپ کو۔

اور پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھیں کہ ہمیشہ جو ہے مسکراتے رہتے تھے، اکثر اوقات جو احادیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں مسکراتے تھے۔

اور حدیث میں کیا آیا ہے مسکرا کر اپنے بھائی کے چہرے کو دیکھنا صدقہ ہے کہ نہیں؟"وَتَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ" (سبحان اللہ)۔

اگلی حدیث (چوتھی حدیث) شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الحديث الرابع" (چوتھی حدیث) "في إثبات العجب وصفات أخرى" (اللہ تعالیٰ کی صفت تعجب کا ثبوت اور دیگر صفات اس کے ساتھ) "وهو قوله" (اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے) "عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنوطِ عِبادِهِ وقُربِ غِيَرِهِ؛ يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ أَزِلِينَ قَنِطِينَ، فَيَظَلُّ يَضْحَكُ؛ يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ": حديث حسن۔

تعجب یا عجب سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو دیکھ کر حیرانگی کا ہونا، یا حیران ہونا، یا تعجب کرنا؛ اور اس کے دو سبب ہوتے ہیں:

(۱) یا تو جس چیز سے تعجب کیا جا رہا ہے اس کے سبب سے لاعلمی؛ انسان نہیں جانتا جس چیز سے وہ تعجب کر رہا ہے کہ اچانک کوئی چیز ہوتی اس کے سامنے اس کے بغیر علم کے تو انسان کو تعجب ہو جاتا ہے یا حیران ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں۔

(۲) دوسری وجہ جو ہے تعجب کرنے کی کہ جو سبب ہے وہ معلوم ہوتا ہے لیکن جس پر تعجب کیا جا رہا ہوتا ہے وہ چیز اپنے جو نظائر ہیں اور اس جیسی جو چیزیں ہیں اُن سے ہٹ کر کوئی چیز اُس میں نمایاں ہوتی ہے، اور جو تعجب کر رہا ہے اُس میں کوئی قصور کی وجہ سے نہیں لاعلمی کی وجہ سے نہیں، کیونکہ ایسا عمل ہو جاتا ہے جس سے تعجب ہوتا ہے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے (شیخ صاحب فرماتے ہیں) کیونکہ اس میں کوئی نقص نہیں ہے تعجب کرنے والے سے لیکن متعجب کے (جس سے تعجب کیا جارہا ہے اُس کے) حال کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔

پھر حدیث کے لفظ جو ہیں: ''عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنوطِ عِبادِهِ''(ہمارے ربّ کو تعجب ہوتا ہے اپنے بندوں کی مایوسی سے): قنوط کہتے ہیں شدید مایوسی کو، کہ بندوں کے دلوں میں شدید مایوسی ہوتی ہے۔

''وقُربِ غِيَرِهِ'': واؤمعیۃ کی ہے؛اور قریب ہونا قُرب سے مطلب قریب ہونا؛''غِيَرِهِ'' جو ہے جمع ''غِيَرَة'' جیسے: ''طِيَر: طِيَرَة'': (طِيَرَة کسے کہتے ہیں؟ بدشگونی کو۔لفظ کہاں سے لیا گیا ہے؟طَیر سے)؛اب غِيَرِهِ کا لفظ جو ہے اس حدیث میں آیا ہے یہ اسم جمع ہے غَیر کا اور اس سے مراد تغییر ہے تبدیلی ہے؛یعنی تبدیلی قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب ہے آسانی قریب ہے اور بندے جو ہیں بہت ہی شدید مایوسی میں ہیں، اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوتا ہے اس معاملے سے کہ کس طریقے سے لوگ جو ہیں وہ بہت زیادہ مایوس ہوتے ہیں جبکہ آسانی اور تبدیلی قرب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ صرف ایک کلمے سے حالت کو بدل دیتا ہے ''كُنْ. فيكون''(صرف كُنْ سے)؛تو پھر یہ شدید مایوسی کس لیے ہے؟!

''يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ أَزِلِينَ قَنِطِينَ''(اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے)۔

أَزِلِينَ اور قَنِطِينَ دو لفظ ہیں: ''أَزِلِينَ''(یعنی بہت ہی زیادہ شدت میں، تکلیف میں) ''قَنِطِينَ'' (جمع قانط ہے اور قانط کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور آسانی سے شدید مایوس ہوا سے قانط کہتے ہیں قنوط کہتے ہیں)۔

لفظ دیکھیں؛قنوت اور قنوط: قنوت میں تاء ہے، قنوط میں طاء ہے: فرق دیکھیں کہ ایک حرف کے فرق سے زمین اور آسمان کا فرق ہے: "قنوت"(اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فرمانبردار:القانِت ، القَانِتِين ، قنوت):اور "قنوط"(قانط طاء سے: مایوسی)۔

کہاں دیکھیں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فرمانبردار "قَانِت"؛اور کہاں یہ شخص جو قانط ہے (طاء سے) جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہے! وہ شدید ناامید ہے! (نعوذ باللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے دل کی حالت اور جسم کی حالت دونوں کا ذکر فرمایا ہے (انسان کی حالت اور اس کے دل کی حالت) کہ خود بڑی شدت اور کرب میں ہے تکلیف میں ہے اور اس کا دل بھی شدید مایوسی میں ہے!

مایوسی دل میں ہوتی ہے یا زبان پر ہوتی ہے؟ دیکھیں مایوسی دل کے اعمال میں سے ہے (سبحان اللہ) ہاں، زبان پر اثر آتا ہے جسم پر اثر آتا ہے لیکن اصل جگہ جو ہے مایوسی کی وہ دل ہے (نعوذ باللہ)۔

"فَيَظَلُّ يَضْحَكُ": تو اللہ تعالیٰ ہنستا رہتا ہے اس عجیب حالت سے کہ اَرحم الراحمین کی رحمت سے کیسے اللہ کے یہ بندے جو ہیں وہ مایوس ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کُنْ. فیکون سے تمام حالات بدل دیتا ہے۔

"يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ": اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہارا فرج جو ہے اور یہ تکلیف کا دور ہونا جو ہے بہت قریب ہے۔ تو اس لیے اللہ تعالیٰ کو تعجب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہنستا بھی ہے۔

اس حدیث میں کئی صفات ہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

1-سب سے پہلے تعجب کی صفت یہ حدیث میں کہاں پر ہے؟ "عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبادِهِ": اور قرآن مجید میں بھی اس کی دلیل موجود ہے سورۃ الصافات آیت نمبر 12 میں: ﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾: ﴿عَجِبْتَ﴾ أنت: کہ اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے تعجب کیا ہے اور یہ مذاق اڑاتے ہیں۔

اور: "على قراءة ضم التاء": ﴿بَلْ عَجِبْتُ وَيَسْخَرُونَ﴾: یہ ﴿عَجِبْتُ﴾ أنا: کون؟ یعنی اللہ تعالیٰ۔

تو دونوں قراءت صحیح اور ثابت ہیں: ﴿بَلْ عَجِبْتَ﴾ یعنی أنت: یا ﴿بَلْ عَجِبْتُ﴾: یعنی أنا۔

تو اس آیت میں اگر ہم ﴿عَجِبْتُ﴾ تاء مربوطۃ سے پڑھیں، یعنی فاعل اللہ تعالیٰ ہے (تو اس سے مراد کون ہے؟ ربّ ذوالجلال سبحانہ وتعالیٰ)۔

2-اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان بھی ہے: "وقُرْبِ غِيَرِهِ": کہ اللہ تعالیٰ تام قدرت رکھتا ہے قدرت کاملہ ہے جب وہ کسی چیز کی حالت کو بدلنا چاہتا ہے اس کی ضد کی طرف تو پھر اس میں زیادہ وقت نہیں لگتا، بہت قریب ہوتا ہے۔

3-اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی "صفت النظر" دیکھنے کا ثبوت بھی ہے "يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ"۔

4-اور اس میں اللہ تعالیٰ کی "صفت الضحک" ہنسنے کا ثبوت بھی ہے "فَيَظَلُّ يَضْحَكُ"۔

5-اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا ثبوت بھی ہے "يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ" (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تمہاری آسانی جو ہے فرج جو ہے وہ بہت قریب ہے)۔

6-صفت رحمت کا ثبوت بھی ہے وہ کیسے ؟ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی آسانی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بنیاد پر ہوتی ہے؛اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آسانی آتی ہے اور اس شدت اور تکلیف کو دور کرنا جو ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرماتا ہے۔اور اسے کیا کہتے ہیں؟رحمت کا لفظ حدیث میں ہے ؟ نہیں۔کہاں سے ہم نے ثابت کیا ہے پھر؟استنباط سے کیا مراد ہے ؟یعنی لازم سے (سبحان اللہ)،دیکھیں!

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں: یہ تمام صفات جو اس حدیث میں موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اسماء وصفات پر دلالت کرتی ہیں ہم سب کو ثابت کرتے ہیں اِن تمام صفات کی حقیقت پر اور اس میں کوئی تاویل نہیں کرتے۔

جو ہمیں مسلکی فائدہ ہوتا ہے:

1-کہ انسان جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس بات سے ہمیں خبر دار کیا ہے،یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے سے خبر دار کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جو مایوس ہوتے ہیں یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الحجر آیت نمبر 56 میں:﴿قَالَ وَمَنۡ يَّقۡنَطُ مِنۡ رَّحۡمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوۡنَ﴾(اُس نے کہا کون ہے جو اپنے ربّ کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے مگر گمراہ لوگ)(الحجر:56)۔

تو گمراہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔

2-اور دوسرا سورۃ یوسف آیت نمبر 87 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَلَا تَايۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ‌ؕ اِنَّهٗ لَا يَايۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾(اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے(رَّوۡحِ اللّٰهِ:یعنی اس میں رحمت کا معنی ہے) کبھی مایوس نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس صرف کافر قوم ہی ہوا کرتی ہے)(یوسف:87)۔

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے یعنی دوری اختیار کرنا،یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل نہیں کرے گا؛ ایسا عقیدہ رکھنا جو ہے یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے،اور انسان پر واجب یہ ہے کہ اپنے ربّ سے حسن ظن رکھے اچھا گمان رکھے۔

اگر دعا کرے تو حسن ظن رکھے اچھا گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی یقیناً دعا قبول کرے گا۔اگر عبادت کرے شریعت کی بنیاد کے مطابق تو پھر اس کو حسن ظن ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عبادت قبول کرے گا۔

اگر کسی تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو پھر اسے حسن ظن رکھنا چاہیے اچھا گمان رکھنا چاہیے اپنے ربّ سے کہ اللہ تعالیٰ اسے ختم کر دے گا، یعنی اس تکلیف کو شدت کو اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا مشکل کو اللہ تعالیٰ آسان کر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: "وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الفَرَجَ مَعَ الكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ العُسرِ يُسراً" (یہ خوب جان لو کہ کامیابی صبر کے ساتھ ہے، اور تکلیف سے دوری جو ہے وہ کرب کے ساتھ ہے، اور آسانی جو ہے وہ مشکل کے ساتھ ہے (سبحان اللہ))۔ یعنی اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے، اگر آپ کسی شدت اور تکلیف میں ہیں تو پھر کرب کے بغیر فرج تو نہیں ہوتا نا! تکلیف ہوتی تو پھر وہ دور بھی ہوتی ہے، تو جو بھی کسی تکلیف میں مبتلا ہے وہ دیکھتا ہے کہ وہ بڑھتی جا رہی ہے اس کا مطلب ہے اب یہ ختم ہونے والی ہے۔

3- اور مشکلات دیکھیں اگر مشکل ہے تو پھر آسانی بھی ہوتی ہے نا (اگر مشکل نہیں ہے تو پھر آسانی کہاں سے آئے گی؟!)، تو مشکل ہے عُسر ہے تو پھر یُسر بھی ہو گا۔

اس لیے قرآن مجید میں دیکھیں: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٦﴾ (الشرح:5-6): سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک عُسر دو یُسر پر غالب نہیں ہو سکتا کبھی۔

یعنی شدت معرفہ سے ہے، اور یُسر جو ہے وہ نکرہ ہے اور نکرہ اس طریقے سے غالب آجاتا ہے، یعنی ایک تکلیف ہے ایک مشکل ہے اس کے ساتھ دو آسانیاں ہیں؛ یعنی عُسر تو ایک ہی ہے نا معرفہ ہے پتہ ہے ایک تکلیف ہے ہر تکلیف کے ساتھ یعنی ہر مشکل کے ساتھ دو آسانیاں ہوں تو مشکل کہاں رہ سکتی ہے؟!

کیا خیال ہے اگر ہر سختی کے ساتھ دو آسانیاں ہوں وقت درکار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ مشکل ہے تو آسانی بھی ہے، لیکن یہ یقین ہے کہ آسانی اس مشکل سے دُگنی ہے (سبحان اللہ)۔ ((واللہ أعلم))۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (065.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔